بذات خود کوئی قباحت ہے' بلکہ اس کا استعمال اس کو اچھا یا قبیح بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سارے اہل علم اور ارباب افتاء نے اس کی ذات پر کوئی حکم نہیں لگایا بطور مثال چند اہل علم کی آراء وفتاویٰ ذکر کیے جاتے ہیں۔

مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ کا موقف

ماہنامہ البلاغ کراچی ستمبر ۲۰۰۸ء اور ماہنامہ الحق دسمبر ۲۰۰۸ء میں حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ کے مضمون میں حضرت مفتی صاحبؒ کے فتویٰ کا خلاصہ شائع ہوا ہے خلاصہ یہ ہے کہ ٹی وی اور وی سی آر ان آلات میں سے نہیں ہیں صرف لہو ولعب یا گانے بجانے اور کسی گناہ کیلئے بنائے گئے ہیں بلکہ ریڈیو' ٹیلی فون' تار کی طرح آواز اور شکلوں کو دور تک پہنچانے کیلئے ہیں' خواہ ان سے اچھے کاموں میں یہ کام لیا جائے یا برے کاموں میں جائز ہیں یا ناجائز ہیں۔ ان کا حکم آلات لہو ولعب اور گانے کے آلات کا نہیں ہوسکتا کہ جس پر نیک کاموں کی بے حرمتی بنتی ہو' ان میں ہر مباح کام بھی جائز اور نیک کام بھی جائز ہے' قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ جس کے استعمالات بعض حلال' بعض حرام ہوں یا کچھ حلال اور بہت کچھ حرام بھی ہوں تو حلال صورت کی وجہ سے ان کا رکھنا' مرمت کرنا' خرید کرنا' فروخت کرنا سب جائز ہے' اسی قاعدہ سے خشخاش کی کاشت' افیون کی بناوٹ ان کا خریدنا' فروخت کرنا اور بلانشہ دوائی میں استعمال سب جائز ہوگا' لیکن نشے کی چیز کا استعمال حرام ہے اور باقی جائز ہے' ایسے ہی یہاں لعو ولہب گانے بجانے اور سب ناجائز کام حرام وگناہ ہیں باقی مباحات' طاعات' اور عبادات سب جائز ہیں۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی رائے گرامی:

انہی دونوں شماروں میں مولانا زاہد الراشدی مدظلہ کے مضمون میں حضرت کاندھلویؒ کی رائے گرامی ٹی وی کے بارے میں شائع ہوئی ہے۔ استاد العلماء حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے بارے میں ان کے ایک شاگرد اور آزاد کشمیر کے معروف مفتی حضرت مولانا مفتی محمد رویس خان صاحب آف میرپور نے ایک بار بتایا کہ حضرت کاندھلویؒ سے ٹی وی اسکرین کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہاں یہ چاقو ہے' اس سے خربوزہ کاٹو گے تو جائز ہے اور کسی کا پیٹ پھاڑو گے تو ناجائز ہے۔

علامہ یوسف قرضاوی مدظلہ کا فتویٰ:

بلاد عرب کے مشہور ومعروف جید عالم دین علامہ یوسف قرضاوی مدظلہ سے ٹی وی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا۔

ان التلیفزیون کالراد یو کالصحیفة و کالمجلة کل هذا الاشیاء ادوات ورسائل لغایات ومقاصد لاتسطیع أن تقول هی خیر ولاتسطیع ان تقول هی شر...... کالسیف فهو فی یدالمجاهد اداة من ادوات الجهاد وهو فی یدقاطع الطریق اداة من ادوات الأجرام الخ (فتاوی معاصرة ۱/۷۳۵)

بے شک ٹیلی ویژن ریڈیو کتاب اور رسالے کی طرح ہے اور یہ اشیاء آلات ہیں لہذا آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ خیر ہے اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ شر ہے۔ اس کی مثال تلوار جیسی ہے جب مجاہد کے ہاتھ میں ہو تو وہ جہاد کے آلات میں سے ایک آلہ ہے اور اگر راہزن کے ہاتھ میں ہو تو پھر جرائم کے آلات میں سے ایک آلہ ہے۔

علماء سعودی عرب کا فتویٰ

وأما التلفزيون فالة لايتعلق بها في نفسها حكم وانما يتعلق الحكم باستعما لها فان استعملت في محرم كالغناء الماجن واظهار صورة فاتنة ...... فذلك حرام وان استعمل في الخير كقراءة القرآن واهانة الحق والامر بالمعروف والنهي عن المنكر وإلى امثال ذلك فذلك جائز الخ (فتاوىٰ علماء البلد الحرام ۴۲۶)

ٹیلی ویژن ایک آلہ ہے جس کے ذات کے ساتھ حکم متعلق نہیں۔ حکم اس کے استعمال کے ساتھ متعلق ہے اگر اس کا استعمال حرام میں ہوتا ہو جیسے فحش گانے اور فتنہ انگیز تصاویر کے اظہار کے لئے ہو تو یہ حرام ہے اور اگر خیر میں استعمال ہوتا ہو جیسے کہ قرآن پاک کی تلاوت' اظہار حق اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یا اس جیسے دوسرے خیر پروگراموں کے لئے مستعمل ہو تو پھر جائز ہے۔

دارالعلوم کراچی کا فتویٰ:

ٹیلی ویژن اپنی ذات کی حد تک معلومات فراہم کرنے کا ایک آلہ اور ذریعہ ہے جس کا جائز اور ناجائز دونوں طرح کا استعمال ممکن ہے' جیسے ریڈیو' ٹیپ ریکارڈ اور کمپیوٹر وغیرہ یا انٹرنیٹ سروس کے مختلف آلات ہیں لہذا ٹی وی کو محض ایک آلہ ہونے کی حیثیت سے شرعاً ناجائز نہیں کہا جائے گا بلکہ اس کا جائز استعمال جائز اور ناجائز استعمال ناجائز ہوگا (جاری شدہ ۱۹/۹/۱۴۲۹ھ)

ان دلائل کو مدنظر رکھتے ہوئے رائے ثانی کے قائلین علماء کرام آج کے دور میں اسلامی ٹی وی چینلو کو جائز سمجھتے ہیں

دور حاضر میں جواز کی رائے کو ترجیح:

دور حاضر کے حالات اور ان کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ثانی الذکر رائے (جواز کی رائے) راجح معلوم ہوتی ہے۔

(۱) اس لئے کہ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا عصر حاضر میں سرد جنگ کا ایک بہت بڑا ہتھیار بن چکا ہے' جس کے ذریعے باطل قوتیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنا زہر پھیلاتے ہیں۔ دشمن کے اس وار کے جواب کیلئے اس آلہ کا استعمال ناگزیر ہے اور قرآن پاک نے مسلمانوں کو دشمن کے مقابلہ میں ہر قسم کے ہتھیار سے لیس ہونے کا حکم دیا ہے'

قال تعالیٰ واعدولهم ماستطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم (الاية)

ترجمہ: اوران کافروں کیلئے جس قدر تم سے ہوسکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو اور اسکے ذریعے سے تم (اپنا) رعب جمائے رکھو ان پر جو کہ (کفر کی وجہ سے) اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہے۔

توجب میڈیا اغیار کا ایک موثر ترین ہتھیار ہے تو مسلمانوں کو بھی ان کے مقابلہ کے لئے اپنے آپ کو اس ہتھیار سے لیس کرنا چاہیے۔ شریعت مقدسہ نے ہتھیار کے طور ایک ممنوعہ چیز کو جائز قرار دیا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ **فانه لایعذب بالنار الارب النار** (ابوداؤد باب **فی کراهیة حرق العدو**) مگر اس نہی کے باوجود فقہاء کرام نے جنگ کی حالت میں کفار پر منجنیق سے آگ برسانے اور ان کو جلانے کی اجازت دی ہے۔

ونحار بهم بنصب المجانيق وحرقهم وغرقهم قوله وحرقهم الظاهر ان المراد حرق ذاتهم بالمنجانيق (ردالمختار ۱۲۹/۴)

ہم ان سے منجنیق نصب کر کے اور جلا کر اور ڈبو کر جنگ کریں گے اور ظاہر یہ ہے کہ جلانے سے مراد خود ان کا جلانا ہے۔

(۲) ثانیاً :انسان کے لئے پانچ امور ضروری ہیں استاذ عبدالوھاب خلاف نے لکھا ہے:

الامور الضرورية للناس ترجع الى خمسة اشياء الدين والنفس والعقل والعرض والمال (علم الفقه ۲۰۰/۱ بحواله المباحث الاسلامية جلد ۵، شماره ۳۰، صفحه ۹۹)

کہ لوگوں کے امور ضروریہ پانچ ہیں۔ دین۔ جان۔ عقل۔ آبرو اور مال کی طرف راجع ہیں۔

ضرورت کے لئے تصویر کا جواز:

یہی وجہ ہے کہ احناف کے ہاں ضرورت کے تحت تصاویر والی اشیاء کا استعمال بھی جائز ہے۔

قال الامام محمد وان تحققت الحاجة له إلىٰ استعمال التسلاح الذى فيه تمثال فلا بأس استعماله قال العلامه السرخسى لان مواضع الضرورة مستثناة من الحرمة كما فى تناولى الميتة (السير الكبير بحواله تكملة فتح الملهم ۱۶۴/۴) اگر کسی ایسے اسلحہ کے استعمال کی ضرورت متحقق ہوجائے جس پر تصاویر ہوں تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں اور علامہ سرخسیؒ نے فرمایا اس لئے کہ ضرورت کے مواقع حرمت سے مستثنیٰ ہوتے ہیں جیسا مردار کا کھانا۔

علامہ سرخسیؒ مزید لکھتے ہیں: **ان المسلمين يتبايعون بدراهم الاعاجم فيها التماثيل بالتيجان ولا يمنع احدعن المعاملة بذلك** السير الكبير بحواله تكملة فتح الملهم ۱۶۴/۴) بے شک تمام مسلمان عجمیوں کے دراہم کے ذریعے خرید وفروخت کرتے ہیں جبکہ ان پر تصاویر ہوتی ہیں اور کسی ایک نے ان دراہم کے معاملہ کرنے سے منع نہیں کیا۔

اسی طرح ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: **لابأس بأن يحمل الرجل فى حال الصلوة دراهم العجم وان كان**

فیھا تمثال الملک علی سریرہ وعلیہ تاجہ (بحوالہ تکملة فتح الملھم ۴/۱۶۴) اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک شخص نماز میں عجمی دراہم جن پر بادشاہ کی تصویر ہے جو اپنے تخت پر ہے اور اس کے سر پر تاج ہے۔

چنانچہ اسی وجہ سے کہ شناختی کارڈ، پاسپورٹ لائسنس وغیرہ کے لئے اہل علم نے الضرورات تبیح المحظورات (الاشباہ شرح والنظائر ۱/۲۵۱) اور المشقة تجلب التیسر (الاشباہ شرح والنظائر ۱/۲۲۶) کے قواعد کے تحت فوٹو نکالنے کو مباح قرار دیا ہے۔ چنانچہ مفتی الہند مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے۔

الجواب: کسب معاش کی ضرورت اور مجبوری سے فوٹو کھنچوانا مباح ہے۔ (کفایت المفتی ۹/۲۴۲)

اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے لکھا ہے

الجواب: مگر در مسئلہ پاسپورٹ کہ مسلمان بسوئے آں محتاج است وبدون کشیدن تصویر وقبول کردنش صورتے نہ بند دنبا چار ومجبور اگر بقول ضعیف عمل کردہ شود جائز باشد (امداد المفتین (فتاوی دار العلوم دیوبند ۲/۱۰۰۰)

اسی طرح مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

ضرورت مثلاً پاسپورٹ، شناختی کارڈ، بس، ریلوے پاس، مجرموں کی شناخت کے لئے تصویروں کی حفاظت یا کسی بڑی قومی مصلحت کے تحت تصویر کشی جائز ہوگی کہ دشواریوں کی وجہ سے احکام میں سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔ المشقة تجلب التیسیر (قاموس الفقہ ۱/۴۷۰)

اسی طرح علماء حرمین شریفین کا فتویٰ ہے کہ جواب: زندوں کی تصویر حرام ہے الا یہ کہ کسی ناگزیر ضرورت کا تقاضا ہو مثلاً کسی ذمہ داری یا پاسپورٹ کے لئے یا ایسے مجرموں کی تصویر جنہیں شناخت کر کے پکڑنا مقصود ہو اور وہ جرم کے ارتکاب کے بعد فرار ہو گئے ہوں یا اس طرح کے دیگر ناگزیر مقاصد کے لئے ہو تو عصر تصویر کی اجازت ہے) فتاوی اسلامیہ (اردو) ۴/۳۸۲) اور اس وقت دین کی حفاظت کیلئے اسلامی چینلو کا اجراء بھی ایک ناگزیر ضرورت بن چکا ہے۔

(۳) ثالثاً: اگر چہ آج کل عموماً ٹی وی کا استعمال ایک گھناؤنے طریقے سے ہوتا ہے جو بذات خود ایک مفسدہ ہو کر اس کے عدم جواز کی تائید کرتا ہے۔ مگر دوسری طرف ایک بہت ہی بڑا طبقہ جن کے ہاں معلومات کے لئے زیادہ تر ذریعہ الیکٹرانک میڈیا ہی ہے دینی تعلیمات اور دعوت سے محروم ہو جائے گا۔ اور ساتھ اسلام دشمن اور شیطانی قوتوں کیلئے محاذ خالی رہ جائے گا جو پہلے والے مفسدہ سے عظیم اور بڑا مفسدہ ہے اور فقہاء کرام کے ہاں مسلمہ اصول ہے کہ من ابتلی ببلیتین وھما مستاویتان یأخذ ایھما شاء وان اختلفا اختار اھونھما (شرح المجلہ خالد اتاسی ۱/۶۸) کہ جو شخص دو بلیتوں میں مبتلاء ہو جائے تو اھون کو اختیار کرے۔

اسی طرح فقہاء کے ہاں اصول ہے اذا تعارض مفسدتان روعی اعظمھا ضرراً بارتکاب اخفھما (شرح الاشباہ والنظائر ۱/۲۶۱)

کہ جب دو مفسدوں میں تعارض آ جائے تو دونوں میں سے چھوٹے پر عمل کیا جائے تاکہ بڑا ضرر کم ہو۔

اور دینی مقاصد کیلئے ایک ایسے آلہ کے استعمال میں بھی کوئی قباحت نہیں ہونی چاہیے ٗ جس میں مفسدے بھی ہوں رسول اللہ ﷺ دین کی دعوت کیلئے عکاظ وغیرہ کے بازار بھی گئے ہیں۔ اور یہ بازار مشرکین ہی کے بازار تھے ٗ لازماً یہ بازار مشرکانہ رسوم پر مشتمل ہوں گے مگر رسول اللہ ﷺ نے اسکی پرواہ نہیں کی اور دین کی دعوت دیتے رہے۔ تو یہ نظائر بھی آج کے دور میں دینی مقاصد کے لئے الیکٹرانک میڈیا کے استعمال کا جواز مہیا کرتا ہے۔

(۴) رابعاً: گزشتہ تفصیل میں گزر چکا ہے کہ مالکیہ امام قاسم بن محمدؒ ٗ امام ابراہیم نخعی بعض حنابلہ اور بعض علماء عرب کے ہاں غیر سایہ دار تصویر جائز ہے احناف اور دوسرے اہل علم کے ہاں جس تصویر میں تشبہ بالکفار اور تصاویر کی تعظیم نہ ہو تو اس قسم کے تصاویر میں کوئی حرج نہیں ٗ اسی طرح جس تصویر کا کوئی ایسا عضو کٹا ہوا جسکے بغیر انسان کی حیات ممکن نہ ہو بعض فقہاء کے ہاں جائز ہے۔

اور فقہاء کرام کے ہاں مسلمہ اصول ہے کہ **الحرج مدفوع** کہ حرج مدفوع ہوگا۔ اور **المشقة تجلب التیسر** (شرح المجلۃ لخالد لداتاسی) کہ مشقت آسانی لاتی ہے۔ اسلئے ضرورت کے تحت مالکیہ ٗ امام قاسم بن محمد ٗ ابراہیم نخعی اور دوسرے اہل علم کی رائے پر عمل کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

دوسرے مذاہب پر ضرورت کے وقت فتویٰ

اور یہ کوئی نئی بات بھی نہیں ضرورت کے تحت فقہاء کرام نے دوسرے مذاہب پر فتویٰ دیا ہے جسکے چند نظائر پیش ہیں:

(۱) جب کسی شادی شدہ کا شوہر مفقود ہو جائے اور اس کے زندہ اور مردہ ہونے کا کوئی پتہ نہ ہو تو متقدمین علماء احناف کے ہاں یہ عورت ۹۰ سال انتظار کرے گی۔ **کما فی السراجی وقال بعضھم تسعون سنة وعلیه الفتوٰی** (السراجی ۵۷) اور بعض نے کہا ہے کہ وہ نوے سال انتظار کرے گی اور اسی پر فتویٰ ہے۔

جبکہ امام مالکؒ کے ہاں وہ عورت چار سال انتظار کریگی۔ مگر متاخرین علماء احناف امام مالکؒ کے مسلک پر ضرورت کے تحت فتویٰ دیا ہے۔

قد کان بعض اصحابنا یفتون بقول مالک فی هذه المسالة للضرورة ثم رایت ماحشته بعینه ذکره محشی مسکین عن السید الحموی وسیاتی نظیر هذه المسئلة فی زوجة المفقود حیث قیل انه یفتی بقول مالک انها تعتدعدة الوفاة بعد مضی أربع سنین (ردالمختار۳/۵۰۹)

ہمارے بعض اصحاب یعنی احناف اس مسئلے میں امام مالکؒ کے قول پر ضرورت کی وجہ سے فتویٰ دیتے تھے ٗ اور جو بحث میں نے ذکر کی ہے وہ میں نے بعینہٖ محشی مسکین جس نے سید الحموی کے حوالہ سے ذکر کی ہے ٗ میں دیکھی۔ اور اس مسئلہ کی نظیر مفقود الخبر کی بیوی سے متعلق آگے آئے گی ٗ چنانچہ کہا گیا ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی کے بارے میں امام مالکؒ

کے قول پرفتویٰ دیتے تھے کہ وہ چار سال گزرنے کے بعد عدت وفات گزار یگی۔

وقال ایضا وقد قال فی البزازیة الفتویٰ فی زماننا علی قول مالک (ردالمحتار ۴/۲۹۵ کتاب المفقود)

اور اسی طرح بزازیہ میں ہے کہ ہمارے زمانے میں فتویٰ امام مالکؒ کے قول پر ہے۔ یہاں پر متاخرین علماء احناف نے تو ایک فرد واحد کی ضرورت کی تکمیل کے لئے اپنا مذہب چھوڑ کر دوسرے کے مسلک پر فتویٰ دیا ہے۔

(۲) اسی طرح اگر کوئی شوہر ایسا ہو کہ باوجود استطاعت کے وہ اپنی بیوی کا نان ونفقہ ادا نہ کرتا ہو٬ اور بیوی کے پاس نان ونفقہ کا کوئی انتظام نہ ہو اور شوہر طلاق یا خلع کے لئے بھی تیار نہ ہو تو ایسی صورت میں مالکیہ کے ہاں اس عورت کو اجازت ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس شوہر سے بذریعہ عدالت آزاد کرادے۔ جبکہ متقدمین علماء احناف کے ہاں اس قسم کے عوارض میں عدالت وغیرہ فسخ نکاح کا مجاز نہیں۔ مگر متاخرین علماء احناف نے امام مالکؒ کے مذہب کو ترجیح دیتے ہوئے عورت کو عدالت کے ذریعے اپنے آپ کو آزاد کرانے کی اجازت دی ہے اور اسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے

فتاوی عثمانی میں ہے **الجواب** صورت مسئولہ میں اگر مندرجہ واقعات درست ہیں تو عورت کو چاہیے کہ وہ نان نفقہ نہ ہونے اور اس کے عصمت کو خطرہ ہونے کی بنیاد پر عدالت میں فسخ نکاح کا دعویٰ کرے٬ عدالت شریعت کے مقررہ اصولوں کے مطابق تحقیق کرے اگر یہ محسوس کرے کہ عورت حالت مجبوری میں ہے تو وہ ایک سال صبر کے بعد نکاح فسخ کرسکتی ہے۔ (فتاوی عثمانی ۲/۴۶۵)

اسی طرح فتاویٰ حقانیہ میں ہے **الجواب:** متقدمین علماء کے ہاں تو اس قسم کے عواضات کی وجہ سے عدالت یا مسلمان حاکم نکاح فسخ کرنے کا مجاز نہیں لیکن متاخرین علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ عورت شرعی عدالت کی طرف رجوع کرے وہ اس کا حل نکالے گا۔ (فتاوی حقانیہ ۴/۴۰۹)

اسی طرح فتاوی دارالعلوم دیوبند ۱۰/۲۲۶ اور الحیلۃ الناجزہ ص ۳۷ میں بھی اسی پر فتویٰ موجود ہے۔ اس مسئلہ میں بھی فرد واحد کی ضرورت کی وجہ سے دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے۔

(۳) اسی طرح جو شخص دھوکہ کھاتا ہو٬ چاہیے وہ سمجھدار کیوں نہ ہو ایسے شخص کو مغبون کہا جاتا ہے۔ بیع وشراء کے مسئلہ میں جمہور فقہاء کرام اور علماء احناف کے ہاں٬ اس شخص کو کوئی خیار نہیں یعنی خیار مغبون کوئی چیز نہیں٬ البتہ امام مالکؒ کے ہاں مغبون شخص کو خیار حاصل ہے٬ چونکہ تغیر زمانہ کی وجہ سے دھوکہ اور فریب عام ہو چکا ہے اسلئے متاخرین علماء احناف نے امام مالکؒ کے مذہب کو ترجیح دے کر خیار مغبون کو ہی ترجیح دی ہے۔ چنانچہ تکملة فتح الملہم میں ہے

وقد افتی المتاخرون من الحنفية باثبات الخيار لمن غبن فاحشا بتغرير البائع مثل أن يقول المشترى قيمته كذا فاشتراه فظهر اقل فله الرد فأما اذا لم يغره البائع فلا خيار له وبه افتى الصدر الشهيد و كذلك يثبت الخيار للبائع المغرور (تكملة فتح الملهم ۱۰/۳۸۰)

اور تحقیق متاخرین حنفیہ نے جس شخص کو بائع کی وجہ سے دھوکہ غبن فاحش ہوا ہو تو اس کو خیار غبن حاصل ہونے پر فتویٰ دیا ہے۔ مثلاً اگر بائع مشتری سے کہے کہ اس چیز کی قیمت اتنی ہے اور مشتری نے وہ چیز خرید لی پھر وہ چیز اس قیمت سے کم نکلی تو مشتری کو واپس کرانے کا حق حاصل ہوگا۔ اگر بائع نے اسکو دھوکہ نہیں دیا ہو تو پھر خیار حاصل نہ ہوگا اور اسی پر صدر الشہید نے بھی فتویٰ دیا ہے اور اسی طرح خیار اس بائع کو بھی حاصل ہوگا جسکو دھوکہ ہوا ہو۔ (تکملہ فتح الملہم ۲/۵۷۸)

(۴) اسی طرح جب کسی شخص کا دوسرے شخص پر قرض ہو اور مدیوں دائن کو قرض ادا نہ کررہا ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اگر دائن کے ہاتھوں مدیون کا ایسا مال ہاتھ آئے جو دین کے جنس سے ہو تو پھر تو دائن اس کو اپنے دین میں وصول کر سکتا ہے لیکن اگر وہ مال دین کے جنس سے نہ ہو تو پھر دائن اس مال کو اپنے دین میں وصول نہیں کرسکتا۔ اور امام شافعیؒ کے ہاں مدیون کا جو بھی مال دائن کے ہاتھ لگ جائے چاہے دین کے جنس سے ہو یا نہ ہو ہر دونوں صورتوں میں دائن اس مال سے اپنا دین وصول کر سکتا ہے۔

متاخرین علماء احناف نے ضرورت کے تحت شوافع کے اس مسلک کو ترجیح قرار دے کر امام شافعیؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ چنانچہ تکملہ فتح الملہم میں ہے **والمشهور من مذهب الحنفية أنه يجوز له الأخذ ان كان ما ظفر به من جنس حقه ولايجوز ان كان من غير جنسه غير ان المتاخرين من الحنفية أفتوا فى هذا المسألة بمذهب الشافعى (تكملة فتح الملهم ۲/۵۷۸)**

اور حنفیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ دائن مدیوں کے مال سے اپنا قرض وصول کرنے کا حقدار ہے جب وہ مدیون کے اس مال پر قبضہ حاصل کرے تو دین کے جنس سے ہو اور اگر وہ چیز جو اس کے ہاتھ میں آیا ہے دین کے جنس سے نہ ہو تو پھر اس کو اپنے قرض میں لینا جائز نہیں۔ مگر اس مسئلہ میں متاخرین احناف نے شوافع کے مذہب پر فتویٰ دیا ہے۔

قال ابن عابدين : عن القهستانى مذهب الشافعى وهذا اوسع فيجوز الاخذبه وان لم يكن مذهبنا فان الانسان يعذر فى العمل به عند الضرورة كما فى الزاهدى ثم نقل عبارة الحموى المذكورة وإليه يظهر ميلان صاحب الدرالمختار حيث قال فى الخطرو الاباحة ليس لذى الحق أن ياخذ غير جنس حقه وجوزه الشافعى وهو الاوسع وعاد ابن عابدين تحته ۵/۳۰۰ فقال أما اليوم فالفتوىٰ على الجواز (تكملفتح الملهم ۲/۵۸۰)

علامہ ابن عابدینؒ قہستانی کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ شوافع کے مذہب میں توسع ہے اسلئے دائن کیلئے قرضہ لینا جائز ہے اگرچہ ہمارا مذہب یہ نہیں کیونکہ ضرورت کے وجہ سے انسان عمل میں معذور سمجھا جاتا ہے جیسا کہ زاہدی میں ہے، پھر انہوں نے حموی کی مذکورہ عبارت نقل کی ہے، اور اسی قول کی طرف صاحب درمختار کا میلان بھی ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ کتاب الخظر والاباحۃ میں فرماتے ہیں کہ دائن کیلئے اپنا حق غیر جنس سے لینے کا حق حاصل نہیں ہے اور

امام شافعیؒ نے اسکو جائز قرار دیا ہے اور یہ قول اوسع ہے اور علامہ شامیؒ نے اس قول کے تحت پھر اعادہ کیا ہے کہ آج کل فتویٰ جواز پر ہے۔ تو جب انفرادی ضرورت کیلئے دوسرے مذہب پر فتویٰ جائز اور معمول بہ ہے تو اجتماعی ضرورت کیلئے دوسرے مذہب کو ترجیح دینا بدرجہ اولیٰ جائز بلکہ ضروری ہے پھر اس وقت الیکٹرانک میڈیا کا استعمال ایک عالمی ضرورت شدیدہ بن چکی ہے اور اس ضرورت کی تکمیل جس مذہب میں ہو اسی کے حوالہ سے اس کو پورا کرنا چاہیے' لہٰذا جب صحابہ کرامؓ ' مالکیہ' امام قاسم بن محمدؒ امام ابراہیم نخعیؒ' کے ہاں غیر سایہ دار تصویر کی گنجائش موجود ہے تو ضرورت کے تحت ان حضرات کی رائے لینے میں کیا حرج ہے' اس کے ساتھ ٹی وی کی اسکرین پر جو صورت دکھائی دیتی ہے نہ تو اس کی عبادت کی جاتی ہے' جس میں تشبہ بالکفار لازم آجائے اور نہ ان صورتوں کو موضع تعظیم میں رکھا جاتا ہے' جہاں تک ٹی وی یا کمپیوٹر وغیرہ کا الماری یا میز کے اوپر رکھنے کا تعلق ہے تو وہ اس صورت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ٹی وی یا کمپیوٹر چونکہ ایک قیمتی اور نازک شئی ہے اسلئے ان کو الماری یا ٹیبل پر رکھا جاتا ہے تو یہ دونوں علتیں بھی ٹی وی کے اسکرین پر موجود تصویر میں موجود نہیں علت کی فقدان کی وجہ سے علماء احناف کے ہاں بھی جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

ایک بات کی وضاحت: یہاں ضمناً اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ماہنامہ ''الحق'' کے گزشتہ شمارہ ۴ رجلد ۴۴ محرم الحرام میں جناب محمد ابراہیم الحنفی صاحب کے مضمون اسلامی بینکاری اور اسلامی ٹی وی چینلو کے حامیوں کے نام میں لکھا ہے حیرت تو اس پر ہے فاضل محترم نے تصویر کے مسئلہ کو قرون اولیٰ سے مختلف کہا ہے حالانکہ ... امہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں جمہور علماء کا اجماع اور ائمہ اربعہ کا مذہب مطلقاً بغیر کسی استثناء کے تصویر سازی کی حرمت کا نقل کرتے ہیں (عمدۃ القاری ۲۲ر۷۰ ط 'بیروت)

جواب: جناب حنفی صاحب نے تو فاضل محترم پر حیرت کا اظہار فرمایا ہے مگر حقیقت میں اس حیرت کا مصداق حنفی صاحب کا دعویٰ اجماع ہے اسلئے کہ غیر سایہ دار تصویر کا مسئلہ قرون اولیٰ سے اختلافی ہونے پر ذخائر کتب اسلامی گواہ ہیں' خلاصہ کیلئے احقر کا مضمون ماہنامہ الحق کے شمارہ ۴ کے صفحہ ۵۱ سے ۵۴ اور اسی شمارے کے ابتدائی صفحات پر مطالعہ کیا جاسکتا ہے اور جہاں تک مضمون نگار صاحب کے عمدۃ القاری کے حوالہ کا تعلق ہے کہ علامہ عینی نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے تو بندہ نے خود عمدۃ القاری جلد ۲۲ کتاب اللباس باب التصاویر سے لے کر باب الارتداف علی الدابۃ تک کا بغور مطالعہ کیا مگر وہاں اشارۃ بھی اس اجماع کا ذکر نہیں ملا اور صاحب مضمون نے صفحہ نمبر ۷۰ کا جو حوالہ دیا ہے وہاں باب تقلیم الاظفار ہے ہاں تصاویر مجسم کے حرمت پر جمہور کا اتفاق ہے' جس کی وضاحت شمارہ ۴ جلد ۴۴ کے صفحات پر گزر چکی ہے۔

(۵) خامساً: اور اسی ضرورت کے پیش نظر حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید نے ان ڈیجیٹل مناظر کے بارے میں اپنی رائے یوں تحریر کی ہے۔

میری ناقص رائے کے مطابق دشمن کیلئے میدان بالکل کھلا چھوڑ دینے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بے بسی کا اظہار کرتے رہنے سے بہتر یہ ہے کہ ہم اپنے دفاع کرنے اور صفائی دبے گناہی بیان کرنے میں کچھ نہ کچھ کردار ادا کرلیں۔ مذکورہ بالانصوص سے مجھے یہی گنجائش محسوس ہورہی ہے بلکہ اسے دینی ودنیاوی ضرورت کہنا بھی غلط نہیں ہوگا نیز جیسا کہ گزشتہ اجلاس میں اکثریتی رائے سے یہ بات بھی سامنے آچکی ہے کہ ڈیجیٹل کیمرہ ذریعہ براہ راست منظر کشی ممنوع تصویر سازی کے حکم میں نہیں ہے اسی طرح جب اسے محفوظ کرکے اسکرین پر دکھایا جائے تو اسی پر بھی تصویر محرم کا بالکلیہ اطلاق مشکل اور دشوار ہے بلکہ اسے شبہ بالعکس قرار دیا گیا ہے' اس بناء پر میرا رجحان یہ ہے کہ موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں اسلام کے خلاف دشمن کے پروپیگنڈہ کم کرنے کیلئے (اسلحہ سازی اور اقتصادی کدوکاوش کی طرح) میڈیا کو استعمال کرلیا جائے تو تصویر محظور کے باوجود بھی گنجائش ہوسکتی ہے۔ (ماخوذ از فتویٰ دار العلوم کراچی ص ۱۹/۹/۱۴۲۹ھ)

اور اسی طرح ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ صاحب مدرس مدرسہ صولتیہ مکہ المکرم نے حضرت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صاحب کے بارے میں لکھا ہے: آج ہی معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صاحب جو ہمارے مسلک کے اس وقت امام ہیں انہوں نے بھی دینی پروگراموں کی خاطر ٹی وی پر آنے کو جائز قرار دیا ہے۔

اسی طرح امیر مجلس ختم نبوت مولانا خان محمد صاحب کے بارے میں لکھا ہے مرکز سراجیہ لاہور ٹرسٹ جو حضرت مولانا خان محمد صاحب کے زیر سرپرستی اور ان کے صاحبزادے مولانا رشید احمد کے زیر اہتمام کام کررہا ہے اس کے شعبوں میں سے پانچواں شعبہ سی ڈیز بھی ان وسائل ابلاغ عامہ میں سے ہے (ماخوذ از مقالہ ڈاکٹر سعید احمد عنایت مدرسہ صولتیہ)

(۶) سادساً: اور پھر بنیادی وجہ یہ ہے کہ ٹی وی کی اسکرین پر جو مناظر نظر آتے ہیں اس پر تصویر کی تعریف ہی صادق آنا مشکل ہے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصیل کیساتھ ذکر ہوا ہے۔ اور یہی بات کہ ٹی وی کی اسکرین پر تصویر کا اطلاق مشکل ہے۔ جیسا کہ دار العلوم دیوبند کے استاذ مولانا مفتی عبداللہ معروفی صاحب اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:

ٹیلی ویژن پر جو صورت نظر آتی ہے وہ تصویر کے حکم میں نہیں بلکہ وہ عکس ہے لہذا اس پر تصویر کی حرمت والی روایتوں سے استدلال صحیح نہیں ہوگا۔ (ماخوذ از فتوی دار العلوم کراچی ۱۷)

حضرت مولانا مفتی محمد الحسن گونڈوی رئیس جامعہ عربیہ تعلیم الاسلام غازی آباد انڈیا نے لکھا ہے کہ موجودہ دور میں اقدامی یا دفاعی طور پر ٹیلی ویژن استعمال نہ کرنے کی وجہ سے جو غلط فہمیاں اور گمراہیاں پھیل رہی ہیں ان کا مناسب توڑ اور مسکت جواب بغیر اسے استعمال میں لائے انتہائی مشکل امر ہے۔

لہذا ٹیلی ویژن کو آلہ لہو کہہ کر اس پر اسلامی نشریات کو ناجائز کہنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ ٹی وی فی نفسہ قبیح نہیں ہے بلکہ اس میں قباحت عوارض کی وجہ سے ہے لہذا جب اسکے قبح کو دور کردیا جائے تو پھر اس کا استعمال جائز ہوگا اور اس پر اسلامی تعلیمات کی اشاعت کرنا صحیح ہوگا (البحوث الاسلامیہ جلد ۵ شمارہ ۴، صفحہ ۴۰)

حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی شیخ التفسیر والاستاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے بھی لکھا ہے کہ ٹیلی ویژن پر جو کچھ نظر آتا ہے وہ دراصل بجلی اور مشین کے ذریعہ لے کر دکھایا جانے والا عکس یا ظل (سایہ) ہے۔ لہذا اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو ان اصل مناظر کا ہے (سہ ماہی البحاث الاسلامیہ جلد ۳ شمارہ ۲)

اور حضرت مولانا مفتی محمد زاہد صاحب نے اس موضوع پر اشرف التوضیح میں بہت تفصیلی بحث کی ہے۔

خلاصہ کے طور پر اس کی رائے لکھ دی جاتی ہے۔ وِڈیو کیسٹ کا تو وہ بظاہر تصویر معلوم نہیں ہوتی اگرچہ کسی عالم دین کا نقطہ نظر کچھ اور بھی ہوسکتا ہے لیکن جو ہمیں راجح معلوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ تصویر نہیں ہے' اس لئے کہ تصویر چاہے کتنی باریک کیوں نہ ہو' لیکن اتنا تو ہونا چاہیے کہ کسی خوردبین ہی کے ذریعے کم از کم بتا سکے کہ یہ فلاں کی آنکھ ہے۔ یہ فلاں چیز اور یہ فلاں چیز ہے۔ جبکہ وِڈیو کیسٹ کے اندر ایسا نہیں ہوتا۔ اس میں صرف شعاعیں ہیں۔۔۔ اب رہ گیا ٹی وی کا حکم وہ تصویر ہے یا نہیں تو بظاہر اسے بھی تصویر کہنا مشکل ہے (ملاحظہ اشرف التوضیح ۳/۶۱۳ تا ۶۳۱)

بعض علماء کرام کا ٹی وی پر آنا:

یہی وجہ ہے کہ مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات سے پہلے ریڈیو اور ٹی وی پر خطاب فرمایا تھا (بحوالہ البلاغ شمارہ ۱۲۔ جلد ۴۳ ص ۵۳)

اسی طرح حضرت مفتی نظام الدین شامزئیؒ شہید کے بارے میں مولانا سعید احمد جلال پوری نے لکھا ہے

چنانچہ طالبان حکومت کے موقع پر حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئیؒ شہید اسی قسم کے ایک مکالمہ (ٹی وی پر مکالمہ) میں شریک ہوئے تو انہوں نے خود بتلایا کہ مذاکرے کا میزبان پہلے تو مجھے بولنے نہیں دے رہا تھا جب میں نے بولنا شروع کیا تو اس نے بار ہا میری بات کاٹنے کی کوشش کی لیکن جب میں نے اس پر برہمی کا اظہار کیا تو اگرچہ اس نے مداخلت تو بند کر دی لیکن میرے انٹرویو کے وہ حصے جو حکومت اور بین الاقوامی قوتوں کے ذوق و مزاج کے خلاف تھے حذف کر دیئے گئے۔ (ماخوذ ٹی وی پر علماء کرام کا آنا مثبت و منفی پہلو۔ ماہنامہ دار العلوم دیوبند ۱۹ رفروری ۲۰۰۸)

اسی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حسن جان شہیدؒ کئی بار رؤیت ہلال کمیٹی کے اجلاسوں میں رؤیت ہلال کا اعلان کرتے ہوئے ٹی وی کی اسکرین پر آچکے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے اکابر علماء کرام دینی ضرورت کے تحت ٹی وی اسکرین پر اپنی ذمہ داری پوری کر چکے ہیں اور لوگوں کو حق کا پیغام دے چکے ہیں۔

لہذا اس تفصیل کا خلاصہ یہ نکلا کہ موجودہ حالات میں الیکٹرانک میڈیا کا استعمال بلکہ ایک اسلامی چینل کا اجراء جو دیگر محرمات سے پاک ہو جائز بلکہ ضروری اور مستحسن ہے تاکہ اس کے ذریعے نہ صرف اغیار کا جواب دیا جاسکے بلکہ اسلام کے تشخص کو اجاگر کیا جاسکے۔ اور لوگوں کی صحیح راہنمائی کی جاسکے۔

ھذا ماظھر لی واللہ اعلم وعلمہ اتم

جناب سید جمشید احمد ندوی

روسی مسلمان۔اندیشے اور امیدیں

آج مسلمانوں کو نت نئے مشکلات کا سامنا ہے منجملہ ان مشکلات کے ایک یہ ہے کہ بہت سی مسجدیں جو دشمنوں کے ناپاک قبضہ میں ہیں اب تک بازیاب نہیں ہوسکیں ہیں جبکہ روس میں کمیونسٹ انقلاب سے پہلے روس کے مختلف صوبوں وشہروں میں ۱۴۰۰۰ (چودہ ہزار) سے زائد مسجدیں تھیں افسوس صد افسوس کہ گھٹتے گھٹتے ان کی تعداد صرف ۸۰ (اسی) رہ گئی ہے۔

دوسری بڑی مشکل جس سے مسلمان روس میں دوچار ہیں یہ ہے کہ ائمہ ودعاۃ کی ایسی کوئی جماعت نہیں ہے جو بازیافت مساجد میں دعوت وامامت کا فریضہ انجام دے سکیں اور ایسے اساتذہ واتالیق کا فقدان ہے جو نئی نسل کو اسلام کی تعلیم دے سکے اور اسلام کے پیغام کو عام کرسکے اس کا سلبی نتیجہ یہ سامنے آرہا ہے کہ بہت سی مسجدوں میں جمعہ کی نماز ادا نہیں ہورہی ہے۔

ازسرنو پھر مساجد کی تعمیر کی پوری کوشش ہورہی ہے اور آج روس میں مساجد کی تعداد ۴۰۰۰ (چار ہزار) کو پہونچ چکی ہے لیکن اگر روسی مسلمانوں کی تعداد سے موازنہ کیا جائے تو یہ تناسب بہت کم ہے۔اس لئے کہ تاتارسان میں ۴ ملین مسلمان ہیں لیکن وہاں چھوٹی بڑی تمام مسجدیں ملا کر صرف ۱۵۰۰ (پندرہ سو) مسجدیں ہیں جب کہ وہاں کے مسلمانوں کو اس کے ڈبل یعنی (۸۰۰۰) مساجد کی ضرورت ہے۔

سب سے خطرناک مشکل جس سے روس میں مسلمانوں کو سامنا ہے یہ ہے کہ ''بشکیریا'' میں چار اسلامی مدارس ہیں جن میں سے ایک بھی مسلمانوں کی نگرانی میں نہیں ہے بلکہ حکومت کے کنٹرول میں ہے حکومت جیسے چاہتی ہے اس میں دست برد کرتی ہے۔

''تومسک'' میں ''الابیض'' نامی ایک بہت پرانی مسجد ہے جو پورے ''سائبریا'' میں نادرو یکتا ہے اس میں کمیونسٹوں نے مئے خانہ بنادیا ہے اور تا حال اس میں یہ مئے خانہ باقی ہے۔

تاہم روسی قانون کا یہ دعویٰ ہے کہ تمام مذاہب یکساں ہیں مگر بہت سے دلائل ہیں جن سے یہ بات کھل کر سامنے آرہی ہے کہ کلیسا کو مکمل آزادی ہے جبکہ مسلمانوں کے کئی ایک مدرسے اور مساجد جن پر ناجائز قبضہ کیا گیا اب تک واپس نہیں کیے گئے۔

کلیسا کے عبادت خانے اور اوقاف کی تمام جائیدادیں واپس کردی گئیں' جبکہ شیکرستان کے اوفا شہر میں ایک مسجد کے مقابل میں چودہ کلیسے ہیں اور شہر کی دیگر مساجد اور چار مدارس کو حکومت نے اب تک واپس نہیں کیا۔اس سوتیلے پن کے معاملہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ روس میں دیگر پیروان مذاہب کے ساتھ جو معاملہ کیا جاتا ہے اور جو مراعاتیں دی جاتی ہیں وہ مراعاتیں مسلمانوں کو نہیں دی جاتی ہیں۔

مجلّہ ''سپیجل'' کی ایک تحقیق کے مطابق جرمنی میں جولائی ۲۰۰۴ء تا جون ۲۰۰۵ء تقریباً ۴۰۰۰ (چار ہزار) لوں نے اسلام قبول کیا۔

نیز قبول اسلام کے مختلف اسباب ومحرکات ہیں سب سے بڑا محرک جرمنی خواتین کی شادی مسلم مردوں سے ہونا ہے۔

جرمنی کے وزیر داخلہ ''فولفجانج شوبیلہ'' نے ابھی حال ہی میں بیان دیا کہ اسلام ہمارے ملک کا ایک جزء بن چکا ہے۔۳ ملین سے زائد مسلمان جرمنی میں پائے جاتے ہیں' اور حکومت پر یہ ضروری ہے کہ اس فکر کو عام کرے کہ مساجد اور کلیسے اور دیگر عبادت خانے ملک وملت کے لئے چیلنج اور خطرہ نہیں ہیں' بلکہ ملک کی تعمیر وترقی کی ایک قسم اور ایک ذریعہ ہے۔

فرانس میں مقیم مسلمانوں کے بارے میں ایک تحقیق پیش کی گئی کہ فرانسیسی معاشرہ میں مسلمانوں کے گھل مل جانے یورپ میں ایک استثنائی حالت ہے' فرانس میں ۲۷ فیصد مسلمان ہیں لیکن اسلام اور مغرب کے درمیان کوئی تصادم' کوئی ٹکراؤ نہیں' اور وہاں ۹۱ فیصد مسلمان مسیحیت کے بارے میں مثبت رائے رکھتے ہیں' اور ۷۱ فیصد یہودیت کے بارے میں' جبکہ برطانیہ میں صرف ۳۲ فیصد مسلمان یہودیت کے بارے میں مثبت رائے رکھتے ہیں اور ۲۸ فیصد اسپین میں اور ۳۸ فیصد جرمنی میں۔اسی ریسرچ کی بنیاد پر مطالبہ کیا جارہا ہے کہ اگر ملک میں مسلمانوں کی تعداد بڑھتی ہے تو اس سے ملک کی سالمیت کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔

ایک تحقیق کے مطابق فرانس میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً ۵ ملین ہے' ایک دوسری تحقیق کے مطابق فرانس میں مسلمانوں کی تعداد ۱۰ ملین ہے' کچھ تو وہاں کے اصل متوطن ہیں' اور کچھ مختلف ممالک' مغرب' ترکی' افغانستان' سینگال' مالی سے ہجرت کرکے آنے والے لوگ ہیں۔

خط وکتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔